ضبط و ترتیب شفیق فاروقی
رپورٹنگ وفاقی کونسل سیکرٹریٹ

مسودہ قانون شہادت میں

مولانا سمیع الحق کی بعض دیگر ترامیم

★ ——— اور تقاریر

مسودہ قانون شہادت کی دفعہ ۴۵ کا تعلق اقبال جرم اور اقرار سے ہے جس میں کہا گیا ہے کہ

"ان معاملات میں جو تسلیم کئے گئے ہوں۔ اقبال تصفیہ کن ثبوت نہیں لیکن امر عارض ہو سکتا ہے"

اس دفعہ کے متعلق مولانا سمیع الحق کی ترمیم (جن کا نمبر فہرست ترامیم میں ۳ تھا) یہ تھی کہ اس دفعہ کو یوں بدل دیا جائے۔

"ان معاملات میں جو تسلیم کئے گئے ہوں اقبال تصفیہ کن ثبوت بھی ہے اور مانع تقریر مخالف (ESTOPPIL) بھی اگر کوئی شخص اقبال (اقرار) کرے تو کتب شریعت کے بیان کردہ احکام کے مطابق اس اقبال (اقرار) کو اہمیت دے کر فیصلہ کیا جائے"

جناب چیئرمین نے یہ ترمیم پڑھ کر ایوان کے سامنے رکھی تو اس کے بارہ میں میاں نعیم الرحمن صاحب نے نقطہ اعتراض اٹھایا کہ یہ ترمیم تقاضوں کے مطابق نہیں تو مسودہ قانون میں کیسے آ سکتی ہے۔ جناب چیئرمین نے انہیں ترمیم کی اصل عبارت جو اردو میں تھی کی طرف توجہ دلائی۔ اور خود بھی پڑھی اور انگریزی میں اس کا ترجمہ بھی درست کیا۔ اور پھر محرک کو اس پر بحث کی اجازت دے دی۔ مولانا نے کہا۔

مولانا سمیع الحق | جناب چیئرمین صاحب! یہ بالکل واضح ہے ہمارے سامنے جو اصل دفعہ ہے اس میں یہ ہے کہ اقبال تصفیہ کن ثبوت نہیں لیکن امر عارض ہو سکتا ہے۔ تو میرا مقصد یہ ہے کہ اقبال کو ثبوت قطعی اس شہادت ایکٹ کی رو سے نہیں سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے انگریزی شہادت ایکٹ میں جس مفہوم میں استعمال کیا ہے اس کا شاید یہی تقاضا تھا لیکن اسلامی قانون میں اقرار کو جس مفہوم میں لیا گیا ہے وہ نتائج کے اعتبار سے قطعی ثبوت بھی ہے۔ یعنی اس سے انکار نہیں کہ (ESTOPPIL) بھی ہے۔ مگر صرف یہی نہیں بلکہ ثبوت قطعی بھی ہے واضح اصول ہیں کہ المرءُ یؤخذ باقرارہٖ آدمی اس کے اقرار سے پکڑا جاتا ہے"

اس مرحلہ پر جناب ملک محمد رمضان صاحب بلوچستان نے چیئرمین سے کہا کہ مولانا کی ترمیم کے الفاظ اور معانی کے جھگڑوں میں پڑنے کی بجائے جذبے کو بھی دیکھنا چاہیے اگر یہ قرآن و سنت کی تعلیمات پر مبنی ہے تو اسے اور الفاظ کا جامہ پہنائیں۔ مگر قبول کر لیا جائے تو بہتر ہوگا۔

اس کے بعد چیئرمین نے جناب سید معین الدین شاہ کو اس پر اظہار خیال کی دعوت دی انہوں نے کہا کہ قوانین آپس میں مربوط ہوا کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ ہم نے "قاضی کورٹس" پاس کیا ہے۔ یہاں حقوق کی بات نہیں ہے۔ یہاں یہ ترمیم زائد ہے "قانون میں آہی نہیں سکتی" اور کئی موقع پر ایسا ہوا کہ یہاں جو چیز لانا نہ چاہتے تو یہ حضرات قاضی کورٹ کا حوالہ دے دیتے اقرار کے متعلق یہی انداز اختیار کیا گیا کہ "قاضی کورٹ کا قانون یہی ہے۔ اس مرحلہ پر مولانا سمیع الحق نے جواب بحث دیتے ہوئے کہا کہ

مولانا سمیع الحق: جناب والا! میں نے ابھی ایک حصہ بیان کیا تھا یہاں بار بار ہمیں قاضی کورٹس کا حوالہ دیا جاتا ہے یہ بڑا عجیب سا نظام ہے کہ اس مسئلے کو دوسری کتاب سے مربوط کیا جائے۔ اور اس کو تیسری سے۔ قانون شہادت تو یہ ہے کہ شہادت کے سارے امور گواہوں کے متعلق ہوں یا حلف کے متعلق ہوں یا اقرار کے متعلق ہوں تو اسے یک جا رکھا جائے اس طرح آسانی رہے گی۔ ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ ایک صحیح اور مؤثر ڈھانچہ تیار ہو جائے تو یہاں اگر تفصیلات نہ بھی ذکر کئے جائیں تو میں نے ترمیم میں کہا ہے کہ "کتب شریعت کے بیان کردہ احکام کے مطابق" یہ اس لئے ضروری ہے کہ اقبال اور اقرار کو بھی شریعت نے کئی شرائط سے مشروط کر دیا ہے مثلاً اقرار کرنے والا عاقل بالغ ہو گا اگر نابالغ ہے اور ولی یا سرپرست نے اس کو کاروبار کرنے کی اجازت دی ہے تو وہ بھی بالغ کے حکم میں متصور ہو گا۔ اسی طرح اور کئی شرائط ہیں تو میں یہ چاہتا ہوں کہ جب مقر اقرار کرے اقبال کرے تو اس میں شریعت کے واضح احکامات کو ملحوظ رکھا جائے یہاں تو بالکل مبہم ہے۔ اور دوسرا مانع امر مخالف کا مسئلہ ہے کہ اسلام اقرار کو ثبوت قطعی بھی قرار دیتا ہے۔ اگر ہم نے ثبوت قطعی قرار نہ دیا تو شریعت کا ایک اصول اس سے متاثر ہو جائے گا ـــــ اقرار ایک مستقل عظیم الشان باب ہے اسلامی قانون شہادت کا۔ اس کے تقاضوں کو بھی ہر جگہ ملحوظ رکھنا ہو گا۔ یہ عام مسلمہ اصول ہے کہ المرء یوخذ باقرارہ ـــــ اب ایک شخص نے اگر اقرار کر لیا تو یہاں تو اس کو مانع تقریر مخالف قرار دیا گیا یعنی ایک شخص کہتا ہے کہ فلاں شخص میرا بھائی ہے تو بھائی تو اس کا ہو گیا مگر یہ ضروری نہیں کہ اس اقرار سے وہ اس کے باپ کا بیٹا بھی ہو جائے۔ خلاصہ تو یہی ہے۔ مگر یہاں تو اس کو ثبوت قطعی قرار ہی نہیں دیا گیا اگر ایسا ہی ہو تو اقرار کا تو کوئی بنیاد ہی نہ ہوا۔ دوسری گزارش میں نے یہ کی کہ اقرار کو شریعت نے کئی چیزوں سے پابند کر دیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے شاہد کے لئے بھی اہلیت اور شرائط ملحوظ رکھے ہیں تو یہاں بھی اگر تفصیلات میں نہیں جاتے تو شہادت کے بعد ایک درجہ تو اقرار کرنے کا ہے اس کی بھی شرائط ہیں اور کچھ مستثنیات ہیں وضاحتیں ہیں تو اس کو میرے اس مختصر جملے میں ملحوظ رکھ دیا جائے کہ شریعت کے بیان کردہ احکام کے مطابق اس اقبال کو اہمیت دیں گے۔ اگر وہ شریعت کے احکام پر پورا نہیں اترتا تو جج کو اختیار ہو کہ وہ اس شخص کے اقرار کو اہمیت نہیں دے گا۔ صرف اتنا معاملہ ہے کہ اس دفعہ کو بھی

کسی طرح اسلامی اصولوں کے قریب لایا جائے۔"

اس کے بعد جناب چوہدری فقیر اللہ صاحب اور جناب چوہدری الطاف حسین صاحب اور بعض دیگر ارکان نے ترمیم کی مخالفت پر زور دیا۔ اور مولانا قاضی عبداللطیف صاحب نے ترمیم کی پرزور تائید کی اس پر رائے شماری کے بعد جناب چیئرمین نے اسے ساقط قرار دے دیا۔

دفعہ ۶۴ کا تعلق شادی وغیرہ کی رشتہ داری کے ثبوت سے ہے اس میں مولانا کی ترمیم یہ تھی کہ اس کے آخر میں یہ الفاظ بڑھا دئے جائیں۔ کہ "یا قوانین حدود کے متعلقہ دفعات کے تحت ہو" تاکہ زناکاری کے انسداد کے سلسلہ میں یہ دفعہ بعض صورتوں میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ یہاں اصل دفعہ میں تعزیرات پاکستان کے دفعہ ۴۹۷ اور ۴۹۸ کا ذکر تھا جب کہ وہ کالعدم ہو چکے تھے مگر حدود کے متعلقہ دفعات کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ جناب حکیم محمد سرداز خان جناب چوہدری محمد الطاف حسین صاحب۔ جناب وزیر قانون پیرزادہ صاحب نے بحث میں حصہ لیا۔ اور کہا کہ اس ترمیم کے تقاضے حدود آرڈی ننس سے پورے ہو رہے ہیں البتہ ۴۹۷ اور ۴۹۸ دفعات کا ذکر یہاں زائد ہے اس لئے کہ یہ ریپل ہو چکے ہیں۔

جناب چیئرمین نے اس کے بعد محرک مولانا سمیع الحق کی رائے معلوم کی تو انہوں نے کہا کہ "جناب چیئرمین ہم نے یہ بات مسودہ کو ترتیب دیتے وقت مفاہمتی مجلس میں بھی کہی تھی۔ کہ اگر حدود آرڈی ننس کے ذکر کی ضرورت نہیں تو تعزیرات پاکستان کے ان منسوخ شدہ دفعات ۴۹۷۔ ۴۹۸ کے بھی ذکر کی ضرورت نہیں تو میں حیران تھا کہ جو منسوخ ہیں ان کا تو ذکر ہے لیکن جو رائج الوقت ہے یعنی حدود آرڈی ننس اس کا ذکر نہیں۔ جناب چیئرمین نے منسوخ شدہ دفعات کا ذکر ہٹا دیا اور مولانا نے ترمیم واپس لانے کی اجازت شرطیہ طور پر لینی چاہی جناب چیئرمین نے فرمایا کہ شرطیہ اجازت نہیں لی جا سکتی۔ اور ترمیم پر رائے شماری ہوئی اور گر گئی۔

مسودہ قانون شق ۱۰۳ کی تمثیلات میں پیراگراف ب میں ۱۸۷۳ء اور شق ج میں رام پور سٹیٹ کا ذکر تھا یہ دفعات شہادت ایکٹ ۱۸۷۲ء سے ہو بہو رکھی گئی تھیں۔ مولانا سمیع الحق کی ترمیمیں تھیں کہ ۱۸۷۳ء کو ۱۹۸۴ء اور رام پور سٹیٹ کو خان پور سٹیٹ سے بدل جائے۔ جناب چیئرمین نے فرمایا کہ آپ نے خوب غلطی پکڑی ہے۔ یہ دونوں ترمیمیں متفقہ طور پر منظور کر لی گئیں۔ اسی طرح اس مسودہ کی دفعہ ۱۰۴ میں رنگپور (جو اب بھارت میں ہے) آپ نے ترمیم سے بہاولپور سے بدلنا چاہا اور کہا کہ پاکستان میں اللہ کے فضل سے بہت سے شہر ہیں وہ ایک استعماری دور تھا ہم غلام تھے مگر اس وقت ہم انڈیا کی مثال دیں تو کتنے شرم کی بات ہوگی وہ آسام میں مسلمانوں کو قتل کر رہے ہیں اور ہم الخ — جناب حمزہ صاحب نے ترمیم کی اسی زیادہ پر مخالفت کی کہ ہمارے پنجاب میں بھی رنگ پور نامی قصبہ ہے۔

دفعہ ۱۲۸ کا تعلق دوران ازدواج بچے کی پیدائش سے ہے کہ ایسی پیدائش بچے کے جائز ہونے کا پختہ ثبوت ہوگا مجوزہ ایکٹ ۱۸۷۲ء میں اسے بالکل مبہم چھوڑ دیا گیا تھا۔ صرف یہ کہ جائز شادی کے دوران پیدا ہونا پختہ ثبوت ہے۔ گویا اگر عقد نکاح کے چند دن بعد بھی بچہ پیدا ہوا تو حلالی سمجھا جائے گا جب کہ اسلام شریعت کی رو سے عقد نکاح کے کم از کم ۶ ماہ گذرنے کے بعد پیدا ہونے والا بچہ جائز سمجھا جائے گا۔ اسی طرح یہ ایکٹ انفساخ نکاح کی صورت میں دو سو اسی یوم کے اندر بعد انفساخ ازدواج تولد کو جائز ثبوت قرار دے رہا تھا جب کہ فقہا کرام کے نزدیک کم از کم مدت دو سال ہے۔ یعنی فسخ نکاح (طلاق یا وفات) کے بعد دو سال تک پیدا ہونے والا بچہ بھی حلالی سمجھا جائے گا۔ سوائے استثنائی صورتوں کے — نیچے دفعہ میں آرہے ہیں۔

علماء کو اصرار تھا کہ اس دفعہ کو ہر حالت میں شریعت کے مطابق بنانا ہوگا۔ جب کہ مخالف گروپ وکلا وغیرہ اس پر آمادہ نہیں تھے۔ مگر بعد میں مفاہمتی مجالس میں اس پر جناب وزیر قانون وغیرہ کی سعی سے وکلا حضرات نے اتفاق کر لیا۔ اور اس دفعہ کو علماء کرام نے مرتب کرکے مسودہ میں شامل کرایا۔

"دفعہ ۱۲۸۔ دوران ازدواج پیدائش پختہ ثبوت جائز ہونے کا ہے | یہ واقعہ کہ کوئی شخص اپنی والدہ کے کسی مرد کے ازدواج جائز میں رہنے کے چھ ماہ یا اس کے بعد یا اس نکاح کے ختم ہونے سے دو سال کے اندر پیدا ہوا اور اس اثنا میں اس کی ماں بے زوج رہی ہو اس امر کا قطعی ثبوت ہوگا کہ وہ صحیح النسب بیٹا ہوگا۔ الا یہ کہ عورت عدت گذر جانے کا اقرار کر چکی ہے۔ اور بچہ کی پیدائش تاریخ اقرار سے چھ ماہ بعد ہوئی یا شوہر انکاری ہو۔

ایوان میں یہ دفعہ سامنے آیا تو حکیم محمد سردار خان اور بعض وکلاء نے پھر اسے ترمیم کے ذریعہ بدلنا چاہا اور نکاح ختم ہونے کے بعد کی مدت کو ۲۹۵ دن تک محدود کرنا چاہا۔ یہ مسئلہ مدت حمل کی اکثر حد پر مبنی ہے۔ بعض ائمہ کے ہاں یہ مدت تین سال اور اس سے بھی زائد ہے۔ امام ابوحنیفہ کی رائے کم از کم میعاد پر مبنی ہے۔ مخالفت کرنے والوں کو یہ میعاد ناممکن اور مضحکہ خیز نظر آرہی تھی۔ جب کہ انگریزی ایکٹ میں عقد نکاح کے دو دن بعد بچے کی ولادت قانوناً جائز قرار دئے جانے پر حیرت اور اچنبھا نہ تھا۔

علماء کرام نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ اس میعاد کی حکمتوں پر روشنی ڈالی۔ اور پیش کردہ ترمیم کی مخالفت کی۔ حضرات وکلاء نے اپنے موقف پر تقریریں کیں اور الحمد للہ کہ رائے شماری کے بعد مخالفانہ ترامیم ساقط ہوگئیں اور بڑی اکثریت سے علماء کی پیش کردہ دفعہ منظور ہوگئی۔

اس مسئلہ پر مولانا سمیع الحق نے اپنی مختصر تقریر میں کہا کہ۔

جناب چیئرمین | مولانا سمیع الحق

مولانا سمیع الحق | جناب چیئرمین۔ یہاں زیادہ زور اسی پر دیا گیا ہے کہ بظاہر یہ ناممکن نظر آتا ہے اور اس جدید دور میں

اگر ہم دس مہینے سے زیادہ دو سال فرض کر لیں تو لوگ ہنسیں گے گویا اس کے ناممکن ہونے کی وجہ سے ۲۹۵ دن پر زور دیا گیا ہے۔ میں مختصراً دو تین نکات بیان کرتا ہوں۔ ایک تو حکیم محمد سردار خان صاحب کی ترمیم میں بظاہر تعارض ہے۔ ابتداء میں تو انہوں نے کہا ہے کہ ۲۹۵ دن میں تبدیل کیا جائے۔ اور سب مقررین اس پر زور دے رہے ہیں۔ کہ یہ چونکہ ناممکن ہے اس لئے ایسا ہونا چاہئے۔ پھر یہ خود آخر میں بار ثبوت والدہ پر ڈالتے ہیں تو وہاں کہتے ہیں کہ ۲۹۵ دن کے بعد اور دو سال کے اندر۔ میں کہتا ہوں کہ جو چیز ترمیم کی ابتداء میں واقعی ناممکن تھی تو آخر میں وہ ممکن کیسے سمجھ لی گئی۔ اگر یہ بات بالکل ناممکن تھی تو پھر ایک ناممکن چیز کے لئے کسی دعوی کا بار ثبوت والدہ پر ڈالنا کتنی تعجب کی بات ہے۔ میں ابھی وضاحت سے بات کروں گا۔

چوہدری محمد ادریس تاج | پوائنٹ آف آرڈر۔ جناب چیئرمین۔ اگر میں قیاس سے یہ کہوں کہ کسی خاتون کے پیٹ میں بچہ ہے تو وہ آخر میڈیکل چیک آپ کروائیں گے تو پتہ چلے گا اس طرح تو پتہ نہیں چل سکتا۔

جناب چیئرمین | تشریف رکھئے۔ یہ پوائنٹ آف آرڈر نہیں ہے۔

مولانا سمیع الحق | تو اگر ایک چیز ترمیم کے آغاز میں مضحکہ خیز تھی تو وہ ترمیم کے آخر میں کیوں مضحکہ خیز نہیں بنتی۔ دوسری گذارش میری یہ ہے کہ اس زمانے میں بھی بچے دو دو سال پیٹ میں نہیں رہتے تھے۔ اور عام حالات جو ہمیں ملتے ہیں اس میں ایسی مثالیں بہت کم ہیں اس کے باوجود بھی تمام ائمہ نے جو رائے اختیار کی تو یہ نہیں تھا کہ ان میں عقل تدبر اور ساری باتیں نہیں تھیں اور انہوں نے آنکھیں بند کر کے ایسی بات نعوذ باللہ جاہلانہ بات کہہ دی حالاں کہ سب ائمہ بنیادی طور پر متفق ہیں کہ ایک سال نہیں ہے اور چاروں ائمہ میں اگر اختلاف ہے بھی اکثر مدت حمل کے بارے میں تو وہ دو سال سے زائد میں ہے ان دو سال پر تو سب متفق ہیں۔ امام شافعی تو تین سال کہتے ہیں۔ امام مالک سے چار سال سے چھ سال تک کے اقوال ہیں (اس مرحلہ پر کئی ارکان نے مضحکہ خیز انداز میں ان اقوال کا مذاق اڑایا) اب آپ مذاق اڑائیں یا ہنسی کریں یہ آپ کا دین ہے۔ پھر سرے سے اس دین سے ہی دستبردار ہو جائیں خواہ آپ جو بھی کریں آپ کو ان مسائل میں جرأت ایمانی کی بات کرنی چاہئے۔ دین کی باتوں پر شرمندہ نہیں ہونا چاہئے۔ کہ دنیا کیا کہے گی۔ ایمانداری سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دیں آپ تو پھر آپ کو کتاب و سنت پر مبنی رائے کو ماننا پڑے گا۔ الغرض اس کو اجماع مرکب کہتے ہیں۔ اب وجہ کیا تھی کہ انہوں نے ایسا کہا۔ وجہ یہ تھی کہ یہ کچھ مخصوص حالات ہیں۔ ایک شوہر بیوی کو طلاق دے دیتا ہے اور ایک بیوی بیچاری بیوہ ہو جاتی ہے وہ ہزاروں مصائب اور مشکلات کا شکار ہو جاتی ہے اگر اس نے عدت پوری ہونے کا اقرار نہ کیا کسی اور سے شادی نہ کی یا شوہر زندہ ہے اور انکار نہیں کرتا تو ان مخصوص حالات میں اللہ نے ہر جگہ اپنے نظام میں یہ کوشش رکھی ہے اور احکام میں اسے ملحوظ رکھا کہ کسی انسان کو ناجائز اور حرامی نہ کہا جائے۔ کیونکہ اس کو ایک دفعہ ناجائز اور حرامی کہہ دینا اس کو زندہ مار دینا ہے۔ اسی طرح ایک پاک دامن اور عفیفہ عورت کو اسلام حتی الوسع اس الزام

تہمت اور بدنامی سے بچانا چاہتا ہے۔ اب دو سال کی گنجائش رکھی گئی ہے ایک عورت لے جاری جب تک اس کے خلاف ثبوت ثابت نہ ہو تو اس کو شریعت اپنے حال پر رکھتی ہے۔ تیسری گذارش میری یہ ہے کہ یہ امت جو ہے یہ سائنس کے زمانے کے لئے صرف نہیں ہے وہ چودہ سو سال سے ہے اور سارے بنی نوع انسان کے لئے اسلامی تعلیمات ہیں ہر جگہ نہ تو سائنس تھی نہ ایکسرے نہ لیبارٹریاں ہیں نہ ٹیسٹ ہو سکتے ہیں۔ آج بھی ۹۵ فیصد علاقہ دیہاتی ہے جنگلات بھی ہیں۔ امت امی کا معنی یہ ہیں کہ انہیں دین فطرت میں تکلفات کا پابند نہ کرایا جائے۔ شکریہ

مروجہ ایکٹ میں وعدہ معاف گواہ موجود ہے۔ یعنی کسی شریک جرم کا اقرار اور آگے اپنے کسی دوسرے شریک کار مجرم کے خلاف بطور شہادت استعمال ہو سکتا ہے جس کی شرعی نقطۂ نظر سے گنجائش نہیں۔ باہمی مفاہمت میں سے مسودہ سے یہ شق حذف کرایا گیا تھا مگر ریٹائرڈ چیف جسٹس بشیر الدین خان صاحب اپنی ترمیم کے ذریعہ اسے برقرار رکھنا چاہتے تھے اس ترمیم پر بڑی زوردار تقریریں ہوئیں۔ ترمیم کی تائید کو اکثریت سمجھا گیا اور وہ منظور ہو گئی۔

مولانا سمیع الحق نے اپنی تقریر میں کہا۔

جناب چیئرمین | بہت شکریہ! مولانا سمیع الحق صاحب۔

جناب مولانا سمیع الحق | حضور والا یہ واضح مسئلہ ہے کہ وہ خود ایک فریق مقدمہ بن گیا ہے۔ اور اس کے بارے میں المغنی نے تصریحات نقل کی ہیں۔ کہ کل من خاصم فی حق لا تقبل شہادۃ فیہ (المغنی ج ۱ صہ ۱۶۷) ایک اور روایت ہے قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا تقبل شہادۃ لخصم (المغنی ج ۱۰ صہ ۱۶۹) ——

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فریق مقدمہ کی گواہی فریق مخالف کے لئے قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ ایک فریق مقدمہ ہے اور اس فریق کے مخالف کو استعمال کرتا ہے تو اس فریق پر بڑی زیادتی ہے۔ دوسری روایت الدر المختار کی ہے۔ کل من صار خصماً فی حادثۃ لا تقبل شہادتہ فیہا۔ (الدر المختار کتاب الشہادات)

ترجمہ یہ ہے۔ کہ ہر وہ شخص جو کسی شہادتوں میں فریق مخالف ہو تو اس میں اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ تیسرا یہ کہ وہ گناہ کا اعتراف کرنے کے بعد عادل نہیں رہا اور شہادت کے لئے صریحاً اصول ہیں کہ وہ عادل ہو خود اس نے یہ اعتراف کیا کہ میں نے قتل کیا ہے، چوری کی ہے، زنا کیا ہے تو اس کے بعد اس کی شہادت کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ چوتھی بات یہ کہ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کو معاف کرے کیونکہ اس سے تو حقوق العباد کی حق تلفی ہو گی۔ یہ حکومت کو بھی حق نہیں ہے کہ وہ ملزم کو معاف کر دے کہ چلو تم نے چوری کی ہے۔ قتل کیا ہے۔ حقوق العباد کو حکومت بھی ضائع نہیں کر سکتی۔ یہاں ریاست اور اسٹیٹ کی حفاظت کا مسئلہ اٹھایا گیا ہے تو اسلام کہتا ہے کہ اس کے لئے سخت سے سخت قوانین بنائے جائیں اور غدار کو سخت سزا دی جائے۔ مگر

جناب چیئرمین ۔ شکریہ (یعنی وقت ختم ہو گیا)